

محمد رفیق چودھری

حدیث و سنت

سلسلہ سوم

جاوید احمد غامدی اور انکارِ حدیث

فاضل مقالہ نگار نے چند برس قبل محدث میں جاوید غامدی کے مخرف افکار سے اُمت کو آگاہ کرنے کے لئے ایک علمی سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سلسلہ مضامین کے ساتھ ساتھ ان کے غلط افکار پر انہوں نے شعر و ادب کی زبان میں بھی کڑی تنقید کی۔ یہ سلسلہ باقاعدگی کے ساتھ محدث میں جاری و ساری تھا کہ چند ماہ پیشتر فاضل محقق ایک ٹریفک حادثہ کا شکار ہو گئے اور قتل پیدا ہو گیا۔ اس وقت تک یہ واحد سلسلہ مضامین ہے جس میں غامدی صاحب کے مختلف غلط افکار کا انہی کے دیگر ارشادات کی روشنی میں جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ کا بے پایاں شکر و احسان ہے کہ مولانا محمد رفیق چودھری چند ماہ بسترِ علالت پر گزارنے کے بعد صحت یاب ہو چکے ہیں اور اب دوبارہ خدمتِ دین کے لئے میدانِ علم و تحقیق میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مبارک مساعی کو قبول و منظور فرمائے اور اُمتِ مسلمہ کو نئے فتنوں اور انحرافات سے عافیت نصیب فرمائے۔

زیر نظر مضمون غامدی صاحب کے تصورِ حدیث پر لکھے گئے مضامین کا تیسرا نقش ہے، یہ مضامین اپنی جگہ مستقل افادیت بھی رکھتے ہیں، البتہ سابقہ مضامین کو پڑھنے کے لئے محدث کے شمارہ جنوری اور فروری ۲۰۰۸ء کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ ان مضامین پر مشتمل ایک مستقل کتاب 'غامدی مذہب کیا ہے؟' کے نام سے مستقل طور پر دوبار شائع ہو کر شائقین سے داد و وصول کر چکی ہے۔ ح م

غامدی صاحب کا دعویٰ ہے کہ حدیث کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ دین کا حصہ نہیں، یہ دین سے الگ کوئی غیر اہم شے ہے۔ دین کا کوئی عقیدہ اور عمل اس سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اگر احادیث کی کچھ اہمیت ہوتی اور یہ بھی دین کا حصہ ہوتیں تو ان کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے لئے خود رسول اللہ ﷺ نے ایسا کوئی اہتمام کیوں نہیں فرمایا؟

چنانچہ جاوید غامدی اپنی کتاب 'میزان' میں 'مبادی' تدبر حدیث کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

”نبی ﷺ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کی روایتیں جو زیادہ تر اخبارِ آحاد کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں اور جنہیں اصطلاح میں 'حدیث' کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں یہ دو باتیں ایسی واضح ہیں کہ کوئی صاحبِ علم انہیں ماننے سے انکار نہیں کر سکتا۔

ایک یہ کہ رسول ﷺ نے ان کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے لئے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا۔
دوسری یہ کہ ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ کبھی علم یقین کے درجے تک نہیں پہنچتا۔

حدیث سے متعلق یہی دو حقائق ہیں جن کی بنا پر یہ ماننا تو ناگزیر ہے کہ اس سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔“ (میزان: ص ۶۸، طبع اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور)

☆ ایک خطبہ حجۃ الوداع کے متعلق البتہ کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے دوسروں تک پہنچانے کی ہدایت فرمائی تھی، لیکن اس کے بھی چند جملے ہی روایتوں میں نقل ہوئے ہیں۔ اسکے علاوہ کسی چیز کے بارے میں اس نوعیت کی کوئی چیز تاریخ کے کسی مستند ماخذ میں مذکور نہیں۔ ذیل میں ہم سب سے پہلے غامدی صاحب کی اس پُر فریب اور مغالطہ انگیز تحریر کا تجزیہ کریں گے اور پھر اس پر جامع تبصرہ کیا جائے گا۔

مغالطہ انگیزی اور فریب دہی

① اہل علم جانتے ہیں کہ حدیث کے اصطلاحی مفہوم میں خبر متواتر (اخبار متواترہ) بھی شامل ہوتی ہے، لیکن مذکورہ عبارت کے ذریعے غامدی صاحب نے اخبار متواترہ کو حدیث کے اصطلاحی مفہوم سے نکالنے اور اسے محض اخبارِ آحاد کے مفہوم میں محدود کر دینے کے لئے لکھ دیا ہے کہ اس سے صرف وہی روایتیں مراد ہیں:

”جو زیادہ تر اخبارِ آحاد کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں۔“

اس طرح غامدی صاحب نے اپنے قارئین کو دھوکا اور فریب دینے کے لئے اصطلاح تو محدثین سے لی ہے مگر اُسے اپنے ذاتی معنی پہنا کر پیش کر دیا ہے۔

غامدی صاحب اس بات کے عادی ہیں کہ وہ معروف دینی اور شرعی اصطلاحیں تو علمائے اسلام سے لیتے ہیں مگر ان اصطلاحوں کے مفہیم بدل کر انہیں اپنے من پسند معنی پہناتے ہیں۔ یہی حرکت انہوں نے ’سنت‘ کی دینی اصطلاح کے بارے میں بھی کی ہے اور اس کے اصطلاحی مفہوم کو چھوڑ کر اپنا یہ اختراعی مفہوم مراد لے لیا ہے کہ

”سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔“ (میزان: ص ۱۰، طبع اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور)

اسی طرح دیگر دینی اصطلاحات کے ساتھ بھی وہ یہی سلوک کرتے ہیں۔ ایک طرف وہ شرعی اصطلاحوں کے اصلی مفہیم سے انکاری ہیں مگر انہی اصطلاحات کے استعمال پر مُصر ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ منکرے بودن وہم رنگِ مستان زیستن

② غامدی صاحب نے مذکورہ عبارت کے ذریعے اپنے قارئین کو دوسرا یہ دھوکا اور مغالطہ دینے کی سعی فرمائی ہے کہ انہوں نے شروع ہی میں یہ کہہ دیا ہے کہ وہ آگے چل کر جن باتوں کا دعویٰ کریں گے اور جو کچھ اپنے جی سے بیان کریں گے، وہ از خود اتنی واضح اور مبنی بر حقیقت ہوں گی کہ کوئی صاحبِ علم نہ تو اُن سے اختلاف کر سکتا ہے اور نہ اُن کو ماننے سے انکار کی جرات کر سکتا ہے؟ جبکہ اُن کے کسی دعوے کو تسلیم کرنا کسی صاحبِ علم پر لازم نہیں اور وہ غامدی صاحب کی کسی بھی بات سے اختلاف کا حق رکھتا ہے، کیونکہ شریعت اسلامیہ میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے سوا ہر شخص سے اختلاف کی گنجائش ہے اور اس حوالے سے قرآن و سنت کی نصوص کی تصریحات موجود ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا غامدی صاحب معصوم عن الخطا ہیں کہ اُن کی کسی بات میں غلطی کا کوئی امکان نہیں؟ یا وہ وحی کی زبان میں گفتگو فرماتے ہیں کہ ان سے دوسرے اہل علم کو اختلاف کی مجال نہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر وہ کس برتے پر اپنے خیالات اور دعاوی کے بارے میں کہتے ہیں کہ

”یہ دو باتیں ایسی واضح ہیں کہ کوئی صاحبِ علم انہیں ماننے سے انکار نہیں کر سکتا۔“

گویا ہر صاحبِ علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ غامدی صاحب کے رطب و یابس پر آمنا و صدقنا کہے، ورنہ اُسے صاحبِ علم ہونے کے اعزاز سے محروم ہونا پڑے گا۔

③ مذکورہ تحریر کے ذریعے غامدی صاحب یہ مغالطہ اور دھوکا بھی دینا چاہتے ہیں کہ پہلے تو وہ جوش میں آ کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ

”رسول اللہ ﷺ نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے لئے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا۔“

لیکن پھر اُن کو جلد یہ خیال آ جاتا ہے کہ اتنا بڑا جھوٹ تو کسی عام پڑھے لکھے آدمی کو بھی ہضم نہیں ہوگا، اس لئے وہ اس عبارت کے نیچے فٹ نوٹ میں دے لفظوں کے ساتھ لکھ

دیتے ہیں کہ

”ایک خطبہ حجۃ الوداع کے متعلق البتہ کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے (حدیث کو) دوسروں تک پہنچانے کی ہدایت فرمائی تھی۔“

پھر چونکہ اس حوالے سے بھی اُن کے اپنے مذکورہ بیان کی تردید کا پہلو نکلتا تھا، اس لئے پھر پینترا بدل کر آگے عبارت میں یہ اضافہ کر دیا کہ

”لیکن اس کے بھی چند جملے ہی روایتوں میں نقل ہوئے ہیں۔“

غامدی صاحب نے ان الفاظ کا اضافہ کر کے نبی ﷺ کے اس عظیم الشان خطبہ حجۃ الوداع کی تعلیمات اور احکام کی اہمیت گھٹانے کی سعی نامراد فرمائی ہے۔ وہ خطبہ جو حضور ﷺ نے لاکھوں صحابہ کرامؓ کے مجمع کے سامنے دیا جو انسانی حقوق کا سب سے بڑا منشور (Charter) ہے اور جو دین اسلام کا مکمل پیغام ہے۔ غامدی صاحب اُسے یہ کہہ کر ٹھکرا رہے ہیں کہ

”لیکن اس کے بھی چند جملے ہی روایتوں میں نقل ہوئے ہیں۔“

آخر کیا رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور فرامین و احکام کی یہی حیثیت ہے کہ ان کو مذکورہ گستاخانہ الفاظ میں بیان کیا جائے؟

③ مذکورہ حوالے کے ذریعے غامدی صاحب نے دوسروں کو چوتھا یہ مغالطہ اور فریب دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ آگے اسی فٹ نوٹ میں فرماتے ہیں کہ

”اس کے علاوہ کسی چیز کے بارے میں اس نوعیت کی کوئی چیز تاریخ کے کسی مستند ماخذ میں مذکور نہیں۔“

ان الفاظ سے غامدی صاحب دوسروں کو یہ باور کراتے ہیں کہ وہ کسی بھی بات کو ماننے کے لئے تیار ہیں جو تاریخ کے کسی مستند ماخذ میں مذکور ہو۔

لیکن سوال یہ ہے کہ جو شخص بخاری اور مسلم کی متفق علیہ اور صحیح احادیث کو کچھ اہمیت نہ دیتا ہو اور اُن کو ماننے کے لئے ہرگز آمادہ نہ ہو، وہ ’تاریخ کے کسی مستند ماخذ‘ کو کیسے مان کر دے گا؟ جس آدمی کا نظریہ یہ ہو کہ

”کسی چیز کو بھی خواہ وہ حدیث کی اُہمات کتب بخاری و مسلم اور مؤطا امام مالکؒ ہی میں کیوں

نہ بیان ہوئی ہو، آپ کی نسبت سے ہرگز کوئی اہمیت نہ دی جائے۔“

(ملاحظہ ہو غامدی صاحب کی کتاب ’میزان‘: ص ۶۹، طبع اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور)

تو کیا جو آدمی بخاری اور مسلم کی روایات کو نہیں مانتا، وہ ابنِ خلدون اور طبری کی کتب تاریخ کو مان لے گا؟ جو شخص اجماعِ قطعی سے ثابت شرعی احکام کو تسلیم نہیں کرتا، وہ طبقات ابنِ سعد اور تاریخ مسعودی کو کیسے تسلیم کر لے گا؟

قارئینِ کرام! میں اصل موضوع پر بحث کرنے سے پہلے تمہید کے طور پر غامدی صاحب کے اندازِ بیان کے دجل و فریب کا پردہ چاک کر رہا ہوں تو اس سے میرا مقصود صرف یہ ہے کہ میں آپ کو اس شخص کے ’طریق واردات‘ سے آگاہ کر دوں جو ”زخرف القول غرورا“ کے مصداق اپنے مخاطب کو فریب دینے کا عادی ہے۔

اب ہم اصل بحث کی طرف آتے ہیں۔ غامدی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے ان (احادیث) کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے لئے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا۔“

ہمارا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو احادیث سننے، ان کو حفظ کرنے اور ان کی کتابت و تحریر کرنے کی تاکید فرمائی اور ایسا کرنے والوں کے حق میں دعا فرمائی۔ اس طرح آپ ﷺ نے حفظ اور کتابت دونوں ذرائع سے کام لیتے ہوئے احادیث کی حفاظت اور ان کی تبلیغ و اشاعت کا اہتمام فرمایا۔

پھر چونکہ احادیث کا زیادہ حصہ عمل سے متعلق تھا۔ اس لئے ﴿أَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ ”رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔“ کے قرآنی حکم کے مطابق صحابہ کرامؓ نے جیسے حضور ﷺ کو کوئی کام کرتے دیکھا، اُسے ویسے ہی کرنا شروع کر دیا اور یہ سلسلہ نسل در نسل آگے چلتا گیا۔ اس طرح فعلی احادیث کا کثیر ذخیرہ عملی طور پر اُمت کو منتقل ہو گیا جو آج تک اُمتِ مسلمہ میں جاری و ساری ہے۔ حدیث کی حفاظت اور اس کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں نبی ﷺ کے چند ارشادات درج ذیل ہیں:

① سنن ابو داؤد (کتاب العلم) میں حضرت زید بن ثابتؓ سے مرفوع روایت ہے، وہ بیان

کرتے ہیں کہ

سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: «نَصْرُ اللَّهِ امرءٌ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه.....» (سنن ابوداؤد: ۳۶۶۰)

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”اللہ اُس شخص کو تر و تازہ رکھے جو ہم سے حدیث سنے، پھر اُسے یاد اور محفوظ رکھے اور پھر اُسے دوسروں تک پہنچا دے.....“
گویا اس حدیث میں نبی ﷺ نے ایسے ہر شخص کے حق میں دعا فرمائی ہے جو آپ سے حدیث سن کر اُسے یاد رکھے اور پھر دوسرے لوگوں تک پہنچائے۔

۲) اُسی طرح جامع ترمذی میں بھی حضرت زید بن ثابت انصاریؓ سے مرفوعاً مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ
«نَصْرُ اللَّهِ امرءٌ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه غيره.....»
(جامع ترمذی: ۲۶۵۶)

”اللہ اُس آدمی کو تر و تازہ اور شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سن کر یاد کر لی اور اُسے دوسرے تک پہنچا دیا.....“

۳) جامع ترمذی ہی میں ایک اور حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ
«نَصْرُ اللَّهِ امرءٌ سمع منا شيئاً فبلغه كما سمعه، فربّ مبلغ أوعى من سامع» (رقم الحدیث: ۲۶۵۷)

”اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے مجھ سے کچھ سنا۔ پھر جیسے اُس نے سنا تھا ویسے ہی دوسروں تک اسے پہنچا دیا۔ ممکن ہے جسے بات پہنچائی جائے وہ پہلے سننے والے سے بھی زیادہ اُسے یاد رکھنے والا ہو۔“

۴) جامع ترمذی میں ایک اور روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«نَصْرُ اللَّهِ امرءٌ سمع مقالتي فوعاها وحفظها وبلغها.....» (رقم: ۲۶۵۸)
”اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میری کوئی بات سنی، پھر اُسے یاد رکھ کر محفوظ کر لیا اور اُسے کسی اور تک پہنچا دیا۔“

اس کے علاوہ اسی مضمون کی احادیث حضرت معاذ بن جبل، حضرت جبیر بن مطعم اور حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

⑤ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو شریح عدویٰ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے روز ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ «ولیلغ الشاهد الغائب» (صحیح بخاری: ۱۰۴۰؛ صحیح مسلم: ۳۳۰۴) ”اور ضروری ہے کہ جو یہاں حاضر ہے، وہ اُس تک (میری باتیں) پہنچا دے جو یہاں حاضر نہیں ہے۔“

⑥ اسی طرح صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: «فلیلغ الشاهد الغائب» (صحیح بخاری: ۱۷۴۱) ”پس لازم ہے کہ جو یہاں پر حاضر ہے، وہ اُس تک جو یہاں حاضر نہیں ہے، (میری باتیں) پہنچا دے۔“

نبی اکرم ﷺ کے مذکورہ ارشادات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو احادیث کی حفاظت اور ان کی تبلیغ و اشاعت کی تاکید فرمائی اور ایسا کرنے والوں کے حق میں بار بار دُعا بھی فرمائی۔

صحابہ کرامؓ اور حفاظتِ حدیث

نبی ﷺ کے مذکورہ بالا ارشادات کی روشنی میں اور ان کے احکام کی تعمیل میں صحابہ کرامؓ نے احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ یاد کر لیا، اُسے لکھ کر محفوظ کیا، اس پر خود عمل کیا اور اسے دوسروں کو لوگوں تک پہنچا دیا۔

ذیل میں ہم چند مکشَرین (بکثرت روایت کرنے والے) صحابہ کرامؓ کے بارے میں بیان کریں گے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے ہزاروں احادیث سن کر یاد کر لیں اور پھر ان کو دوسروں تک پہنچایا:

① حضرت ابو ہریرہؓ نے ۵۳۷۷ حدیثیں حفظ کر کے اُمت تک منتقل کیں۔

② حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ۲۶۳۰ حدیثیں یاد کیں اور پھر ان کو اُمت تک پہنچایا۔

۳) حضرت انس بن مالکؓ نے ۲۲۸۶ حدیثیں زبانی یاد کر کے محفوظ کیں اور پھر ان کو اُمت کے حوالے کیا۔

۴) اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ نے ۲۲۱۰ حدیثیں یاد کرنے کے بعد دوسرے لوگوں تک پہنچائیں۔

۵) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ۱۶۶۰ حدیثیں حفظ کرنے کے بعد اپنے شاگردوں تک منتقل کیں۔

۶) حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے ۱۵۴۰ حدیثیں یاد کیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔

اس کے علاوہ انہوں نے ایک مجموعہ بھی مرتب کیا۔

۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نبی ﷺ کی طرف سے ۸۴۸ حدیثیں حفظ کیں اور ان کو دوسرے لوگوں تک پہنچایا۔

🌸 جن صحابہ کرامؓ نے حدیثیں لکھیں اور ان کے مجموعے (صحیفے) مرتب کئے یا املا کرائے

اُن کی تعداد پچاس کے قریب ہے، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱) حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کا صحیفہ جسے ”صحیفہ ابو زبیر“ بھی کہا جاتا ہے۔

۳) صحیفہ سعد بن عبادہؓ

۲) صحیفہ علی بن ابی طالبؓ

۵) صحیفہ جابر بن سمرہؓ

۴) صحیفہ عبداللہ بن عمرؓ

۷) صحیفہ حضرت سمرہ بن جندبؓ

۶) صحیفہ زید بن ثابتؓ

۹) صحیفہ براء بن عازبؓ

۸) صحیفہ سہل بن سعد انصاریؓ

۱۰) صحیفہ ابو ہریرہؓ، جو صحیفہ ہمام بن منبہؓ کے نام سے مشہور ہے۔

یہ تفصیل جان لینے کے بعد بھی کیا کوئی معقول شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے ان (احادیث) کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے لئے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا۔“

کیا اخبارِ آحاد دین کا حصہ نہیں؟

غامدی صاحب پہلے تو یہ دعویٰ فرماتے ہیں کہ

”اس (حدیث) سے جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ کبھی علم یقین کے درجے کو نہیں پہنچتا۔“

اور پھر اس دعویٰ کی بنا پر خود ہی یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ

”اس کی بنا پر یہ ماننا تو ناگزیر ہے کہ اس سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا اضافہ نہیں ہوتا۔“

اب ہم پہلے ان کے دعوے پر گفتگو کریں گے اور آخر میں ان کے نکالے ہوئے نتیجے پر تبصرہ کریں گے۔

کیا حدیث سے علم یقین حاصل نہیں ہوتا؟

حقیقت یہ ہے کہ اس بات پر تمام محدثین اور فقہائے اسلام کا اجماع اور اتفاق ہے کہ خبر متواتر، جو حدیث ہی کی ایک قسم ہے، اس سے علم یقین حاصل ہوتا ہے۔

غامدی صاحب جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حدیث سے علم یقین حاصل نہیں ہوتا تو وہ ایک ایسی بات کرتے ہیں جس کا اہل علم میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔ باقی اب اجماعِ اُمت کے مقابلے میں تنہا غامدی صاحب کی رائے کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

پھر اس بات پر تمام محدثین عظام اور فقہائے کرام کا اجماع اور اتفاق ہے کہ اخبارِ آحاد کا درجہ اگرچہ اخبارِ متواترہ سے کچھ کم ہے، تاہم جب وہ صحیح ہوں تو وہ بھی دین میں حجت اور دلیل ہوتی ہیں اور ان سے بھی ہر طرح کے شرعی احکام اخذ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی مسلمان اپنے وارث کے حق میں مالی وصیت نہیں کر سکتا اور نہ وہ ایک تنہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر سکتا ہے۔ یہ دونوں مسلمہ اجماعی شرعی احکام ہیں مگر یہ صرف اور صرف اخبارِ آحاد سے ثابت ہیں۔ اگر اخبارِ آحاد کو دین سے نکال دیا جائے تو پھر دین اسلام کے ۹۰ فیصد حصے کو بھی دین سے خارج کرنا پڑے گا اور اسلامی احکام و تعلیمات کو چھوڑنا پڑے گا۔

اور ہم یہ بات پورے حزم و احتیاط سے بیان کر رہے ہیں، ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اخبارِ آحاد ترک کرنے سے ہمیں پورا دین ترک کرنا پڑے گا اور اپنے ایمان سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے، کیونکہ ہمارا کلمہ اسلام (کلمہ طیبہ اور شہادتین) لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صرف اور صرف اخبارِ آحاد ہی سے ثابت ہے، ان کے سوا اس کلمے کا اثبات کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں۔ یہ کلمہ نہ تو قرآن سے ثابت ہوتا ہے اور نہ غامدی صاحب کی بتائی ہوئی 'سنت' سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ جب کہ حال یہ ہے کہ اس کلمے کے اقرار ہی سے کوئی شخص دین کے دائرے میں داخل ہوتا اور اس کے انکار سے وہ دین کے دائرے سے باہر نکل جاتا ہے۔ یہی کلمہ اسلام اور کفر میں امتیاز اور حد فاصل ہے۔ اسی کو پڑھنے سے آدمی مسلمان ہوتا

اور اسے چھوڑنے سے وہ کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔ یہ کلمہ ہمارے دین کی اساس ہے مگر اس کی بنا بھی صرف اخبارِ آحاد پر قائم ہے۔

خود قرآن مجید ہمیں اخبارِ آحاد کی بنیاد پر شرعی فیصلے کرنے کا مجاز قرار دیتا ہے۔ وہ ہمیں ایک، دو یا چار معتبر اور عادل (ذَوَا عَدَلٍ) مسلمانوں کی خبر پر یقین کرنے کا پابند کرتا ہے اور ان کی گواہی پر حدود جاری کرنے کا حکم دیتا ہے جس کے نتیجے میں شرعی طور پر کسی مجرم کا ہاتھ کاٹا جاسکتا ہے۔ کسی کو پھانسی پر چڑھا کر قتل کیا جاسکتا اور کسی کی پیٹھ پر کوڑے برسائے جاسکتے ہیں۔ پھر جب قرآن مجید نے اپنے نظامِ عدل و انصاف کی بنیاد غیر متواتر شہادتوں اور اخبارِ آحاد پر رکھی ہے تو قرآن کے مقابلے میں کوئی مسلمان یہ کہنے کی جسارت کیسے کر سکتا ہے کہ کسی حدیث کو حدیثِ رسول یا حکمِ رسول ماننے کے لئے تواتر کی شرط ضروری ہے اور یہ کہ ایک، دو یا چار معتبر اور عادل راویوں کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ ان سے اُسے 'علم یقین' حاصل نہیں ہو پاتا۔ جب کہ اسلام میں صرف ایک معتبر اور عادل شخص (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) کی شہادت پر رویت ہلال ثابت ہو جاتی ہے جس کے بعد شرعی طور پر مسلمانوں کے لئے دوسرے دن روزہ رکھنا یا نہ رکھنا لازم ہو جاتا ہے۔

اخبارِ آحاد میں سے ایک متفق علیہ غریب حدیث ہے کہ «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ.....» ”اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔“ (صحیح بخاری: ۱) ہر مسلمان اس فرمانِ نبویؐ سے واقف ہے۔ اس حدیث کے صرف ایک ہی راوی حضرت عمر بن خطابؓ ہیں، لیکن ساری اُمت اسے صحیح اور درست مانتی ہے اور فقہائے اسلام اس سے مسائل کا استنباط کرتے اور استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

افسوس کہ غامدی صاحب ایک طرف تو حدیث کی اخبارِ آحاد کے بارے میں تواتر کی شرط لگاتے ہیں اور اس کے پورا نہ ہونے کی صورت میں صحیح احادیث کو ناقابلِ اعتماد اور 'غیر یقینی' ٹھہرانے لگتے ہیں اور دوسری طرف اگر ان کو کوئی ضعیف بلکہ موضوع اور من گھڑت روایت بھی مل جائے جو ان کی خواہش اور ہوائے نفسانی کے مطابق ہو تو اُسے وہ بلا تامل مان لیتے اور اسے دلیل کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ درج ذیل حدیث بالاتفاق موضوع ہے کہ

”نبی ﷺ نے غزوہ تبوک سے واپسی کے موقع پر فرمایا تھا:
«ارجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر»

(السلسلة الضعيفة للآلباني: ۲۴۶۰)

”ہم جہادِ اصغر (قتال فی سبیل اللہ) سے جہادِ اکبر (جہاد بالنفس) کی طرف واپس لوٹے ہیں۔“
تو دیکھئے ایسی بے اصل اور موضوع روایت کو غامدی صاحب کس طرح مانتے ہیں، اس سے اُن کو ’علم یقین‘ بھی حاصل ہو جاتا ہے اور پھر اس سے استدلال بھی فرماتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

”اس امر میں کوئی شک نہیں کہ قرآن اور حدیث دونوں میں جہاد کا لفظ اپنے لغوی مفہوم میں بھی بکثرت استعمال ہوا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں دین کی دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا تو اُسے بھی جہاد کہا گیا۔ آپؐ نے مدینہ میں سربراہ ریاست کی حیثیت سے یہود و نصاریٰ اور دوسرے مشرکین عرب کو دین کی دعوت پیش کی تو اسے بھی جہاد کا عنوان دیا۔ ایک غزوہ سے واپسی پر اپنے ساتھیوں کو عام زندگی میں تقویٰ اور راست روی کی روش اختیار کرنے کی نصیحت کی تو اسے ’قتال فی سبیل اللہ‘ کے مقابلے میں ’جہادِ اکبر‘ قرار دیا۔ چنانچہ ان معنوں میں دین کی سربلندی کے لئے کئے گئے کسی بھی کام کو ’جہاد‘ کہا گیا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔“ (ملاحظہ ہو: ماہنامہ ’اشراق‘ شمارہ دسمبر ۱۹۹۳ء، ص ۱۸)

یہ ہے غامدی صاحب کی احادیث کے بارے میں ’تحقیقِ انیق‘ اور ان پر تدبر کرنے کی اصل حقیقت، جس کا وہ ڈھنڈورا پیٹتے پھر رہے ہیں۔

اس مقام پر فارسی کا ایک قدیم شعر بہ ادنیٰ تصرف پیش کرنے کو جی چاہتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ ایسے باکمال ہوتے ہیں کہ ایک طرف تو وہ گائے (کے پھڑے) کو خدا مان لیتے ہیں مگر دوسری جانب نوح علیہ السلام کو نبی تسلیم نہیں کرتے۔

گاؤ را داری تو باور در خدائی، غامدی!

نوحؑ را باور نداری از پئے پیغمبری!

(جاری ہے)
